۴

اوورکوٹ

غلام عبّاس

پیش درس

ہمارے آس پاس طرح طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ان میں غریب بھی ہوتے ہیں اور امیر بھی۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو زندگی کی نعمتوں سے محروم ہیں لیکن دوسرے خوش حال لوگوں کو دیکھ کر حالات سے سمجھوتہ اور صبر کر لیتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو انوکھے طریقے اپنا کر زندگی گزارتے ہیں۔ زیرِ نظر افسانے میں ایک ایسا ہی کردار پیش کیا گیا ہے جو اپنی غربت اور محرومیوں کے باوجود خود کو سماج میں آسودہ حال اور بے فکر بنا کر پیش کرتا ہے۔

مصنف نے اس افسانے کے ذریعے اُن لوگوں پر گہرا طنز کیا ہے جو ظاہری شان و شوکت کے دلدادہ ہوتے ہیں اور اپنی حیثیت کو بھول کر امیروں کی نقالی کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے سماج میں انھیں عارضی طور پر عزت تو مل جاتی ہے مگر آخر میں ندامت اور ذلت ہی اُن کے ہاتھ آتی ہے۔ اوورکوٹ فیشن اور ظاہر پرستی کی علامت بن کر اُبھرتا ہے۔

جان پہچان

غلام عباس ۱۷ نومبر ۱۹۰۹ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم لاہور کے دیال سنگھ ہائی اسکول میں حاصل کی۔ وہ محکمۂ تعلیمات سے منسلک تھے۔ پھر ۱۹۴۹ء میں بی بی سی لندن میں وہ پروڈیوسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ انھیں ڈراما نگاری اور موسیقی سے بھی دلچسپی تھی۔ غلام عباس کے افسانوی مجموعوں 'آنندی، جاڑے کی چاندنی' اور 'کن رس' کو اُردو ادب میں اہم مقام حاصل ہے۔ انھوں نے 'گوندنی والا تکیہ' کے نام سے ایک ناول بھی لکھا۔ ان کا دوسرا ناول 'جزیرۂ سخن وراں' ایک فرانسیسی ناول سے ماخوذ ہے۔ وہ بڑے روشن خیال ادیب تھے۔ ان کی ادبی خدمات کے پیشِ نظر انھیں کئی اعزازات سے نوازا گیا۔ مختلف مغربی زبانوں میں ان کے افسانوں کے ترجمے ہوئے ہیں۔ ۲ نومبر ۱۹۸۲ء کو غلام عباس کا کراچی میں انتقال ہوا۔

جنوری کی ایک شام ایک خوش پوش نوجوان ڈیوس روڈ سے گزر کر مال روڈ پر پہنچا اور چیئرنگ کراس کا رُخ کر کے خراماں خراماں پٹری پر چلنے لگا۔ یہ نوجوان اپنی تراش خراش سے خاصا فیشن ایبل معلوم ہوتا تھا۔ لمبی لمبی قلمیں، چمکتے ہوئے بال، باریک باریک مونچھیں، گویا سرمے کی سلائی سے بنائی گئی ہوں۔ بادامی رنگ کا گرم اوورکوٹ پہنے ہوئے جس کے کاج میں شربتی رنگ کے گلاب کا ایک ادھ کِھلا پھول اٹکا ہوا، سر پر سبز فیلٹ ہیٹ ایک خاص انداز سے ٹیڑھی رکھی ہوئی، سفید سلک کا گلوبند گلے کے گرد لپٹا ہوا، ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں، دوسرے میں بید کی ایک چھوٹی چھڑی پکڑے ہوئے جسے کبھی کبھی مزے میں آ کے گھمانے لگتا تھا۔

یہ ہفتے کی شام تھی۔ بھرپور جاڑے کا زمانہ۔ سرد اور تند ہوا کسی تیز دھار کی طرح جسم پر آ کے لگتی تھی مگر اس نوجوان پر اس کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اور لوگ خود کو گرم کرنے کے لیے تیز قدم اُٹھا رہے تھے مگر اسے اس کی ضرورت نہ تھی جیسے اس کڑکڑاتے جاڑے میں اسے ٹہلنے میں بڑا مزا آ رہا ہو۔

اس کی چال ڈھال سے ایسا بانکپن ٹپکتا تھا کہ تانگے والے دور ہی سے دیکھ کر سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کی طرف لپکتے مگر وہ چھڑی کے اشارے سے نہیں کر دیتا۔ ایک خالی ٹیکسی بھی اسے دیکھ کر رُکی مگر اس نے 'نو تھینک یو' کہہ کر اسے بھی ٹال دیا۔

راستے میں وہ سڑک آئی جو لارنس گارڈن کی طرف جاتی تھی مگر اس وقت شام کے دھندلکے اور کہرے میں اس باغ پر کچھ ایسی

اداسی برس رہی تھی کہ اس نے ادھر کا رُخ نہ کیا اور سیدھا چیئرنگ کراس کی طرف چلتا رہا۔

ملکہ کے بت کے قریب پہنچ کر اس کی حرکات وسکنات میں کسی قدر متانت آگئی۔ اس نے اپنا رومال نکالا اور ہلکے ہلکے چہرے پر پھیرا تاکہ گرد جم گئی ہو تو اُتر جائے۔ پاس ہی گھاس کے ایک ٹکڑے پر کچھ انگریز بچے بڑی سی گیند سے کھیل رہے تھے۔ وہ رُک گیا اور بڑی دلچسپی سے ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ نوجوان کی نظر سیمنٹ کی ایک خالی بینچ پر پڑی اور وہ اس پر آکے بیٹھ گیا۔ اس وقت شام کے اندھیرے کے ساتھ ساتھ سردی اور بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

مال روڈ پر موٹروں، تانگوں اور بائیسکلوں کا تانتا بندھا ہوا تو تھا ہی، پٹڑی پر چلنے والوں کی بھی کثرت تھی۔ سڑک کی دورویہ دکانوں میں خرید وفروخت کا بازار بھی گرم تھا۔ جن کم نصیبوں کو نہ تفریحِ طبع کی استطاعت تھی نہ خرید وفروخت کی، وہ دور ہی سے کھڑے کھڑے ان تفریح گاہوں اور دکانوں کی رنگا رنگ روشنیوں سے جی بہلا رہے تھے۔

نوجوان سیمنٹ کی بینچ پر بیٹھا اپنے سامنے سے گزرتے زن ومرد کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر ان کے چہروں سے کہیں زیادہ ان کے لباس پر پڑتی تھی۔ ان میں ہر وضع اور ہر قماش کے لوگ تھے۔ بڑے بڑے تاجر، سرکاری افسر، لیڈر، فنکار، کالجوں کے طلبہ اور طالبات، نرسیں، اخباروں کے نمائندے، دفتروں کے بابو... زیادہ تر لوگ اوور کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ہر قسم کے اوور کوٹ، بیش قیمت اوور کوٹ سے لے کر پرانے اوور کوٹ تک جنھیں نیلام میں خریدا گیا تھا۔

نوجوان کا اپنا اوور کوٹ تھا تو خاصا پرانا مگر اس کا کپڑا خوب بڑھیا تھا۔ پھر وہ سلا ہوا بھی کسی ماہر درزی کا تھا۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی بہت دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ کالر خوب جما ہوا تھا۔ بانہوں کی کریز بڑی نمایاں، سلوٹ کہیں نام کو نہیں۔ بٹن، سینگ کے بڑے بڑے، چمکتے ہوئے۔ نوجوان اس کوٹ میں بہت مگن معلوم ہوتا تھا۔

ایک چھوٹی سی سفید رنگ کی بلّی سردی میں ٹھٹھری ہوئی بینچ کے نیچے اس کے قدموں میں آکر میاؤں میاؤں کرنے لگی۔ اس نے پچکارا تو اُچھل کر بینچ پر آ چڑھی۔ اس نے پیار سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا، ''پؤر لٹل سول۔''

اس کے بعد وہ بینچ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور سڑک کو پار کرکے اس طرف چلا جدھر سنیما کی رنگ برنگی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ برآمدے میں بھیڑ نہ تھی۔ صرف چند لوگ تھے جو آنے والی فلموں کی تصویروں کا جائزہ لے رہے تھے۔ تین نوجوان اینگلو انڈین لڑکیاں ان تصویروں کو شوق سے دیکھ رہی تھیں۔ ایک خاص شانِ استغنا کے ساتھ وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ مگر مناسب فاصلے سے ان تصویروں کو دیکھتا رہا۔ لڑکیاں آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں بھی کرتی جاتی تھیں اور فلم پر رائے زنی بھی۔ پھر وہ تینوں ہنستی ہوئی باہر نکل گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد نوجوان بھی سنیما کی عمارت سے باہر نکل آیا۔

اب سات بج چکے تھے اور وہ مال روڈ کی پٹڑی پر پھر پہلے کی طرح مٹرگشت کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ تھوڑی دور چل کے اسے انگریزی موسیقی کے آلات کی ایک بڑی سی دکان نظر آئی۔ وہ بلاتکلف اندر چلا گیا۔ ہر طرف شیشے کی الماریوں میں طرح طرح کے انگریزی ساز رکھے ہوئے تھے۔ ایک ہسپانوی گٹار پر، جو ایک کھونٹی سے ٹنگی ہوئی تھی، نوجوان نے ناقدانہ نظر ڈالی اور اس کے ساتھ قیمت کا جو ٹکٹ لٹک رہا تھا، اسے پڑھا۔ اس سے ذرا ہٹ کر ایک بڑا جرمن پیانو رکھا ہوا تھا۔ اس کا کور اُٹھا کے اُنگلیوں سے بعض پردوں کو اس نے ٹٹولا اور پھر کور بند کردیا۔

پیانو کی آواز سن کر دکان کا ایک کارندہ اس کی طرف بڑھا۔ ''گڈ ایوننگ سر، کوئی خدمت؟''

''نہیں شکریہ۔ ہاں اس مہینے کی گراموفون ریکارڈوں کی فہرست دے دیجیے۔''

فہرست لے کر نوجوان نے اوور کوٹ کی جیب میں ڈالی، دکان سے باہر نکل آیا اور پھر چلنا شروع کر دیا۔ راستے میں ایک چھوٹا سا بک اسٹال پڑا۔ نوجوان یہاں بھی رکا۔ کئی تازہ رسالوں کے ورق اُلٹے۔ وہ جہاں سے رسالہ اُٹھاتا، بڑی احتیاط سے وہیں رکھ دیتا۔ اور آگے بڑھا تو قالینوں کی ایک دکان نے اس کی توجہ کو جذب کیا۔ مالک دکان نے جو ایک لمبا سا چغہ پہنے اور سر پر کلاہ رکھے تھا، گرم جوشی سے اس کی آؤ بھگت کی۔

''ذرا یہ ایرانی قالین دیکھنا چاہتا ہوں۔ اُتاریے نہیں، یہیں دیکھ لوں گا۔ کیا قیمت ہے اس کی؟''

''چودہ سو تیس روپے ہے۔''

نوجوان نے اپنی بھنوؤں کو سکیڑا جس کا مطلب تھا 'اوہو، اِتنی!'

دکان دار نے کہا، ''آپ پسند کر لیجیے۔ ہم جتنی بھی رعایت کر سکتے ہیں، کر دیں گے۔''

''شکریہ لیکن اس وقت تو میں صرف ایک نظر دیکھنے آیا ہوں۔''

'شوق سے دیکھیے۔ آپ ہی کی دکان ہے۔''

وہ تین منٹ کے بعد اس دکان سے بھی نکل آیا۔ اس کے اوور کوٹ کے کاج میں شربتی رنگ کے گلاب کا جو ادھ کھلا پھول اٹکا ہوا تھا، وہ اس وقت کاج سے کچھ زیادہ باہر نکل آیا تھا۔ جب وہ اس کو ٹھیک کر رہا تھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک خفیف اور پر اسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے پھر اپنی مٹر گشت شروع کر دی۔

اب وہ ہائی کورٹ کی عمارتوں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ اتنا کچھ چل لینے کے بعد اس کو تکان محسوس ہوئی تھی نہ اُکتاہٹ۔ یہاں پٹڑی پر چلنے والوں کی ٹولیاں کچھ چھٹ سی گئی تھیں اور ان میں کافی فصل رہنے لگا تھا۔ اس نے اپنی بید کی چھڑی کو ایک اُنگلی پر گھمانے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی اور چھڑی زمین پر گر پڑی۔ ''اوہ، سوری'' کہہ کر وہ زمین پر جھکا اور چھڑی کو اُٹھا لیا۔

نوجوان نے شام سے اب تک اپنی مٹر گشت کے دوران میں جتنی انسانی شکلیں دیکھی تھیں، ان میں سے کسی نے بھی اس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف نہیں کیا۔ وہ اپنے حال میں ایسا مست تھا کہ کسی دوسرے سے اسے سروکار ہی نہ تھا۔

ابھی اس نے آدھی ہی سڑک پار کی ہوگی کہ اینٹوں سے بھری ہوئی ایک لاری پیچھے سے بگولے کی طرح آئی اور اسے روندتی ہوئی میکلوڈ روڈ کی طرف نکل گئی۔ لاری کے ڈرائیور نے نوجوان کی چیخ سن کر پل بھر کے لیے گاڑی کی رفتار کم کی۔ پھر وہ سمجھ گیا کہ کوئی لاری کی لپیٹ میں آ گیا ہے۔ وہ رات کے اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے لاری کو لے بھاگا۔ دو تین راہ گیر جو اس حادثے کو دیکھ رہے تھے، شور مچانے لگے کہ ''نمبر دیکھو، نمبر دیکھو'' مگر لاری ہوا ہو چکی تھی۔

اتنے میں کئی اور لوگ جمع ہو گئے۔ ٹریفک کا ایک انسپکٹر جو موٹر سائیکل پر جا رہا تھا، رُک گیا۔ نوجوان کی دونوں ٹانگیں بالکل کُچلی گئی تھیں۔ بہت سا خون نکل چکا تھا اور وہ سسک رہا تھا۔

فوراً ایک کار کو روکا گیا اور اسے جیسے تیسے اس میں ڈال کر بڑے اسپتال روانہ کر دیا گیا۔ جس وقت وہ اسپتال پہنچا تو اس میں

ابھی رمق بھر جان باقی تھی۔ اس اسپتال کے شعبۂ حادثات میں اسسٹنٹ سرجن مسٹر خان اور دو نو عمر نرسیں مس شہناز اور مس گل ڈیوٹی پر تھیں۔ جس وقت اسے اسٹریچر پر ڈال کے آپریشن روم میں لے جایا جا رہا تھا، ان نرسوں کی نظر اس پر پڑی۔ اس کا بادامی رنگ کا اوورکوٹ ابھی تک اس کے جسم پر تھا اور سفید سلک کا مفلر گلے میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کے کپڑوں پر جا بجا خون کے بڑے بڑے دھبے تھے۔ کسی نے از راہِ دردمندی اس کی سبز فیلٹ ہیٹ اُٹھا کر اس کے سینے پر رکھ دی تھی تاکہ کوئی اُڑا نہ لے جائے۔

شہناز نے گل سے کہا، ''کسی بھلے گھر کا معلوم ہوتا ہے بے چارہ۔''

گل دبی آواز میں بولی، ''خوب بن ٹھن کے نکلا تھا بے چارہ ہفتے کی شام منانے۔ ڈرائیور پکڑا گیا یا نہیں؟''

''نہیں، بھاگ گیا۔''

''کتنے افسوس کی بات ہے!''

آپریشن روم میں اسسٹنٹ سرجن اور نرسیں چہروں پر جراحی کے نقاب چڑھائے جنھوں نے ان کی آنکھوں سے نیچے کے سارے حصے کو چھپا رکھا تھا، اس کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ اسے سنگ مرمر کی میز پر لٹا دیا گیا۔ اس نے سر میں جو تیز خوشبودار تیل ڈال رکھا تھا، اس کی کچھ مہک ابھی تک باقی تھی۔ پٹیاں ابھی تک جمی ہوئی تھیں۔ حادثے سے اس کی دونوں ٹانگیں تو ٹوٹ چکی تھیں مگر سر کی مانگ نہیں بگڑنے پائی تھی۔

اب اس کے کپڑے اُتارے جا رہے تھے۔ سب سے پہلے سفید سلک گلوبند اس کے گلے سے اُتارا گیا۔ اچانک نرس شہناز اور نرس گل نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتی تھیں۔ چہرے جو دلی کیفیات کا آئینہ ہوتے ہیں، جراحی کے نقاب تلے چھپے ہوئے تھے اور زبانیں بند۔

نوجوان کے گلوبند کے نیچے نکٹائی اور کالر کیا سرے سے قمیص ہی نہیں تھی۔ اوورکوٹ اُتارا گیا تو نیچے سے ایک بوسیدہ اونی سویٹر نکلا جس میں جا بجا بڑے بڑے سوراخ تھے۔ ان سوراخوں سے سویٹر سے بھی زیادہ بوسیدہ اور میلا کچیلا ایک بنیان نظر آ رہا تھا۔ نوجوان سلک کے گلوبند کو کچھ اس ڈھب سے گلے پر لپیٹے رکھتا تھا کہ اس کا سارا سینہ چھپا رہتا تھا۔ اس کے جسم پر میل کی تہیں بھی خوب چڑھی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کم سے کم پچھلے دو مہینے سے نہیں نہایا البتہ گردن خوب صاف تھی اور اس پر ہلکا ہلکا پاؤڈر لگا ہوا تھا۔ سویٹر اور بنیان کے بعد پتلون کی باری آئی اور شہناز اور گل کی نظریں پھر بیک وقت اُٹھیں۔ پتلون کو پیٹی کے بجائے ایک پرانی دھجی سے جو شاید کبھی نکٹائی رہی ہوگی، خوب کس کے باندھا گیا تھا۔ بٹن اور بکسوے غائب تھے۔ دونوں گھٹنوں پر سے کپڑا مسک گیا تھا اور کئی جگہ کھونچیں لگی تھیں مگر چونکہ یہ حصے اوورکوٹ کے نیچے رہتے تھے اس لیے لوگوں کی ان پر نظر نہیں پڑتی تھی۔ اب بوٹ اور جرابوں کی باری آئی اور ایک مرتبہ پھر مس شہناز اور مس گل کی آنکھیں چار ہوئیں۔

بوٹ تو پرانے ہونے کے باوجود خوب چمک رہے تھے مگر ایک پاؤں کی جراب دوسرے پاؤں کی جراب سے بالکل مختلف تھی۔ پھر دونوں جرابیں پھٹی ہوئی بھی تھیں، اس قدر کہ ان میں سے نوجوان کی میلی میلی ایڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ بلاشبہ اس وقت تک وہ دم توڑ چکا تھا۔ اس کا جسم سنگ مرمر کی میز پر بے جان پڑا تھا۔ اس کا چہرہ جو پہلے چھت کی سمت تھا، کپڑے اُتارنے میں دیوار کی طرف مڑ گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ جسم اور اس کے ساتھ روح کی برہنگی نے اسے خجل کر دیا ہے اور وہ اپنے ہم جنسوں سے آنکھیں چرا رہا ہے۔

اس کے اوورکوٹ کی مختلف جیبوں سے جو چیزیں برآمد ہوئیں، وہ یہ تھیں: ایک چھوٹی سی سیاہ کنگھی، ایک رومال، ساڑھے چھ آنے، ایک بجھا ہوا سگریٹ، ایک چھوٹی سی ڈائری جس میں نام اور پتے لکھے تھے۔ نئے گراموفون ریکارڈوں کی ایک ماہانہ فہرست اور کچھ اشتہار جو مٹرگشت کے دوران اشتہار بانٹنے والوں نے اس کے ہاتھ میں تھما دیے تھے اور اس نے انھیں اوورکوٹ کی جیب میں ڈال دیا تھا۔ افسوس کہ اس کی بید کی چھڑی جو حادثے کے دوران کہیں کھوگئی تھی، اس فہرست میں شامل نہ تھی۔

معانی و اشارات

تراش خراش	-	زیب و زینت
گلوبند	-	یہاں مراد مفلر
دورویہ	-	دونوں طرف
ہر قماش کے	-	ہر قسم کے، ہر رنگ کے
پٹری	-	فٹ پاتھ
مٹرگشت	-	بے مقصد گھومنا
کارندہ	-	نوکر
چغہ	-	عبا، جبہ، لبادہ

خفیف	-	ہلکا/ہلکی
فصل	-	فاصلہ، دوری
منعطف کرنا	-	متوجہ کرنا
رمق بھر	-	تھوڑی سی
جراحی	-	آپریشن
مَسک جانا	-	کپڑے کا ذرا سا پھٹ جانا
جراب	-	موزہ
خجل	-	شرمندہ، نادم

مشقی سرگرمیاں

* خوش پوش نوجوان کی تراش خراش سے متعلق شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

* نوجوان کے اوورکوٹ سے متعلق مناسب الفاظ لکھ کر خاکے کو مکمل کیجیے۔

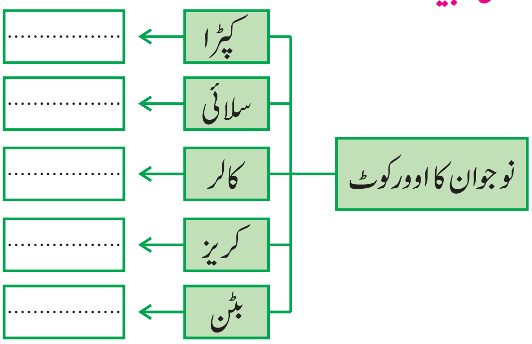

* ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ مال روڈ کی منظرکشی کیجیے۔

۲۔ نوجوان نے سیمنٹ کی بینچ پر بیٹھے جو کچھ دیکھا، اسے بیان کیجیے۔

۳۔ نوجوان کے اوورکوٹ کی تفصیل بیان کیجیے۔

۴۔ موسیقی کے آلات کی دکان پر نوجوان کی سرگرمیوں کو اپنے جملوں میں تحریر کیجیے۔

۵۔ آپریشن روم کے منظر کو تفصیل سے لکھیے۔

۶۔ نوجوان کے اوورکوٹ کی مختلف جیبوں سے جو چیزیں برآمد ہوئیں، ان کا شجری خاکہ بنائیے۔

۷۔ نوجوان کی مٹرگشت کو سلسلہ وار لکھیے اور اس کا رواں خاکہ بنائیے۔

۸۔ نوجوان کے کردار کے بارے میں لکھیے۔

۹۔ نوجوان کی موت کے بعد سامنے آنے والی اس کی شخصیت کے پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کیجیے۔

* جملوں میں استعمال کیجیے۔

خراماں خراماں ، لمبی لمبی ، باریک باریک ، تیز تیز ، ہلکے ہلکے ، کھڑے کھڑے

* ہدایات کے مطابق قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ نوجوان کا اپنا اوورکوٹ تھا تو خاصا پرانا مگر اس کا کپڑا خوب بڑھیا تھا۔
(جملے کی قسم بتا کر نحوی تجزیہ کیجیے)

۲۔ اب اس کے کپڑے اُتارے جا رہے تھے۔
(جملے کا 'طور' تبدیل کیجیے)

۳۔ کتنے افسوس کی بات ہے!
(بیانیہ جملے میں تبدیل کیجیے)

۴۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔
(خط کشیدہ لفظ کی فعلی شکل استعمال کرتے ہوئے جملہ دوبارہ لکھیے)

سرگرمی/منصوبہ

نویں جماعت کے اضافی مطالعے میں آپ نے جو افسانے پڑھے ہیں ان پر اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

چند انگریزی کہاوتیں اور ان کا اُردو مفہوم

★ Child is the father of man.	پؤت کے پاؤں پالنے میں۔
★ Bad carpenter blames his tools.	ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔
★ To err is human.	انسان غلطیوں کا پُتلا ہے۔
★ Neither fish nor fowl.	آدھا تیتر آدھا بٹیر۔
★ Out of the frying pan into the fire.	آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔
★ Too many cooks spoil the broth.	دو مُلّاؤں میں مرغی حرام۔
★ Between the devil and the deep sea.	آگے کنواں پیچھے کھائی۔
★ Listen to people, but obey your conscience.	سنو سب کی، کرو اپنی۔
★ No rose without a thorn.	جہاں پھول وہاں کانٹے۔
★ Man is known by the company he keeps.	آدمی اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔